رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
«انجمن علی گڑھ»

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے
سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | یکم ستمبر ۱۹۵۴ء | ایڈیٹر: قاضی عبدالغفار | یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ | نمبر ۱۷

ایک اور مشکل

صدر جمہوریہ کی خدمت میں انجمن کی یادداشت پیش ہونے کے بعد سے اتر پردیش میں اردو زبان کی مخالفت کے نعرے کسی قدر دھیمے ہو گئے ہیں اور کانگریسی اور سرکاری حلقوں میں مخالفت کی وہ شدت نمایاں نہیں ہو رہی ہے جو گزشتہ دو تین سال میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔ پھر بھی ہم یہ سنتے ۔۔ ہیں کہ اتر پردیش کے متعدد حلقے اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اردو زبان کی مخالفت تو نہ کی جائے گی، ایک حد تک اس کی امداد اور سرپرستی بھی کی جائے گی۔ لیکن یہ بات تو کسی طرح نہیں مانی جا سکتی کہ وہ اتر پردیش کی علاقائی زبان ہے۔ اللہ ہی جانے کہ «علاقائی زبان» کی اصطلاح میں کیسے کانٹے ہیں جو ان ارباب کار کی «کھال» میں خلش پیدا کرتے ہیں۔

باوجودیکہ چند احکام اور گشتیوں کے ذریعے سے اردو زبان پر ہمیشہ التفات کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن عملاً اکثر حلقوں میں وہی رکاوٹیں باقی ہیں جو شروع سے پیدا کی گئیں۔ اب بھی یہ شکایتیں سنی جا رہی ہیں کہ حکومت کے اعلانوں کے باوجود نہ تو داخلہ کی تمام رکاوٹیں رفع ہوئی ہیں اور نہ درسی کتابوں کے ملنے کی وہ آسانیاں پیدا ہوئی ہیں جو پیدا ہو سکتی تھیں اگر حکومت کا محکمہ متعلقہ اسی وقت اردو کی درسی کتابوں کی اشاعت کا بھی فیصلہ کر دیتا جس وقت ہندی کی کتابوں کی اشاعت کے لئے ناشرین کو ہدایات دی گئی تھیں۔

اب ایک تیسری دشواری جس کے متعلق ہم ہر سمت سے شکایتیں سن رہے ہیں، مدارس کے نصاب کے متعلق پیدا ہو رہی ہے۔ اخبارات کی اطلاعیں یہ ہیں کہ نیا نصاب جو تجویز کیا گیا ہے۔ اس میں حسب ذیل چھ مضامین تو لازمی قرار دئے گئے ہیں۔

(۱) زراعت یا صنعت و حرفت۔
(۲) ہندی مع ابتدائی سنسکرت۔
(۳) ریاضی۔
(۴) تاریخ و جغرافیہ۔
(۵) جنرل سائنس۔
(۶) فزیکل کلچر

اور حسب ذیل پانچ اختیاری مضامین کی فہرست مرتب کی گئی ہے جن میں سے صرف ایک مضمون طالب علم لے سکتا ہے۔

(۱) انگریزی زبان
(۲) ہندوستان کی ان موجودہ زبانوں میں سے ایک جن کا ذکر دستور ہند میں کیا گیا ہے۔
(۳) کلاسیکی زبانیں (سنسکرت، فارسی، اور عربی)
(۴) موسیقی۔
(۵) کامرس

الجھاؤ یہ ہے کہ ان مضامین میں سے ایک کو اختیار کرنے کے لئے ایسے طالب علم کو جس کی مادری زبان اردو ہو اور وہ انگریزی بھی پڑھنا چاہے، ان دو میں سے ایک سے محروم رہنا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ انگریزی

زبان کی جو بین الاقوامی اہمیت ہے اس کے لحاظ سے ہر طالب علم اس مضمون کو ضرور اختیار کرنا چاہے گا۔ لیکن اس صورت میں اسے اپنی مادری زبان اردو سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اتنی رعایت رکھی گئی ہے کہ جو طالب علم ایک کے بجائے دو اختیاری مضامین لینا چاہے وہ ایسا کر سکتا ہے لیکن امتحان صرف ایک ہی مضمون میں لیا جائے گا جس کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں کہ دوسرے مضمون کی تعلیم محض برائے نام ہوگی۔ اختیاری مضمون اسکول میں صرف چار گھنٹے پڑھایا جائے گا۔ لیکن اگر اختیاری مضامین دو ہوں گے تو ان کی تعلیم دو دو گھنٹے سے زیادہ نہ ہوگی۔ یعنی جو طالب علم صرف انگریزی اختیار کریں گے ان کو چار گھنٹے انگریزی زبان کی تعلیم ملے گی اور جو طالب اردو بھی لیں گے انکو انگریزی کی تعلیم صرف دو گھنٹے ملے گی اور وہ انگریزی میں تنہا انگریزی اختیار کرنے والوں سے پیچھے رہ جائیں گے۔ یہ تو کچھ ایسی بات ہوئی کہ انگریزی کے ساتھ اردو زبان کو اختیار کرنے والے طالب علم کو اردو پڑھنے کا ایک جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ اور وہ نہ اردو کی پوری تعلیم حاصل کر سکے گا نہ انگریزی کی ـــ دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا!! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہاتھ سے اردو کے لئے دروازہ کھولا گیا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اس کو بند کیا جا رہا ہے۔

اتر پردیش کے سرکاری ماہرین تعلیم نے اس بات کو تو اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ہر طالب علم اختیاری مضامین سے انگریزی کو ضرور اختیار کرنا چاہے گا۔ اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ سرکاری زبان ہندی ہونے کے باوجود انگریزی زبان کی اہمیت مسلمہ ہے اور اس کے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہے۔ ایسی حالت میں بہت سے بچوں کے والدین مادری زبان پر انگریزی کی تعلیم کو قربان کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے اور اس طرح صورت وہی رہے گی کہ اردو کی تعلیم کا دروازہ عملاً اور اکثر حالات میں بند ہی رہے گا۔ یہ بھی ہم کو معلوم ہے کہ آج بیشتر اسکولوں میں اردو کے متعلق ان اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کا رویہ ہے وہ عرصے تک باقی رہے گا اور محض گشتیاں جاری کرنے سے اس میں اصلاح ممکن نہیں، اس لئے ہیڈ ماسٹروں کے اس رویے کی بنیاد اردو کے خلاف ان کا تعصب ہے ان حالات میں گزشتہ دو سال کی جد و جہد کے بعد اتر پردیش کی حد تک اردو کو جو کچھ ملا ہے اس کی مقدار بہت ہی قلیل ہے اور ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بہ حیثیت مجموعی ابھی تک اس جد و جہد کا کوئی بڑا اور اہم نتیجہ حاصل ہو سکا ہے۔

ہم اتر پردیش کی حکومت سے عرض کریں گے کہ اگر اس نے واقعی اردو زبان کو اس کے جائز حقوق دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو ایک اختیاری مضمون کی شرط لگا کر طالب علموں کی مادری زبان کی تعلیم کا راستہ نہ روکے بلکہ کم از کم دو اختیاری مضامین کے لئے تعلیم کا پورا وقت دے تاکہ جن طالب علموں کی مادری زبان اردو ہو وہ اردو کے ساتھ انگریزی اور انگریزی کے ساتھ اردو کی پوری تعلیم حاصل کر سکیں اور ایک کے لئے دوسرے کو ترک کرنے پر مجبور نہ ہوں۔

اتر پردیش میں اس وقت تک دانستہ یا نادانستہ ایک ہاتھ سے دیکر دوسرے سے واپس لینے کا اصول کارفرما ہے اور ایک ہی پالیسی چل رہی ہیں۔ یہ ادھورا مسلک اردو زبان کے حامیوں کے لئے تسکین بخش نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے کہ صدر جمہوریہ اور حکومت ہند جس قدر جلد سے جلد انجمن کے معروضے پر احکام جاری کر کے اس صورت حال کو ختم کر دیں اگر اردو علاقائی زبان تسلیم کر لی جائے تو پھر تعلیمات میں اس کا مقام محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ سرکاری ماہرین تعلیم کے رحم و کرم سے اپنی قسمت کو وابستہ کرنے پر مجبور نہ کی جا سکے گی ورنہ اردو زبان کے حامیوں کی بے اطمینانی ادھورے حل سے رفع نہیں کی جا سکے گی بلکہ اس میں اضافہ ہوگا۔

حیدرآباد ـــ ایک مثال

• آج اردو اور تلنگی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے ہم اردو کی بھی اسی طرح ترقی چاہتے ہیں جس طرح ہمیں تلنگی کی ترقی عزیز ہے۔ قطب شاہی دور میں تلنگی کی حیثیت عدالتی زبان کی تھی اور اس دور میں جو تلنگی لٹریچر چھپا ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے اردو بولنے والوں کو تلنگی سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

ان خیالات کا اظہار آندھرا سرسوت پریشد کے ایک لیڈر مسٹر دیولاپلی راما نجی راؤ نے سید علی چبوترہ پر لیگ آف ڈیموکریٹک یوتھ شاہ علی بنڈہ کی جانب سے قائم کئے ہوئے تلنگی مدرسہ کا افتتاح کرتے ہوئے کیا اور اردو تلنگی دوستی کی قدیم و عظیم روایات کو زندہ کرنے کی اپیل کی۔ جلسہ کی صدارت مسٹر نرپت راؤ نے کی۔ لیگ آف ڈیموکریٹک یوتھ کے جنرل سکریٹری مسٹر مصطفےٰ علی بیگ نے اپنی تقریر میں انگریزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح انگریزوں کے دور میں سستی اور عام تعلیم کے لئے عوام اپنے خانگی تعلیمی ادارے چلاتے تھے اسی طرح آج بھی صورت حال رہی ہے۔

یہ اس عام اسپرٹ کا ایک نمونہ ہے جو حیدرآباد کے عوام اور ان کے لیڈروں میں لسانی مسئلے کے متعلق کام کر رہی ہے۔ یہی صورت اردو اور ہندی کے درمیان نظر آتی ہے۔ ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کا ایک ذمہ دار ادارہ ہے اور بڑے پیمانے پر ہندی پرچار کا کام کر رہا ہے لیکن نہ صرف یہ کہ اردو کے خلاف کام نہیں کر رہا بلکہ اردو اور ہندی کے درمیان پورا پورا تعاون چاہتا ہے اور عملی طور پر اپنی اس اسپرٹ کا ثبوت دے رہا ہے۔

انجمن کے جنرل سکریٹری نے اپنے قیام حیدرآباد کے دوران میں سبھا کے ذمے دار عہدہ داروں سے کئی بار تبادلہ خیال کیا اور ان کو پوری طرح یقین حاصل ہوا کہ حیدرآباد میں اردو اور ہندی کے ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں ہے بلکہ جس طرح یہ دو زبانیں ایک ہی بنیادی زبان کی دو شکلیں ہیں اس حقیقت کو ہندی کا پرچار کرنے والے کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں۔

حیدرآباد ایک مثال ہے ہمارے اتر پردیش کے لئے اور صرف

حیدر آباد بلکہ انجمن کے جنرل سکریٹری نے آندھرا اور ریاست میسور کا دورہ کر کے یہ دیکھا کہ یہاں حکومتوں اور عوامی لیڈروں کے حلقوں میں اردو زبان کی مخالفت اور اس .. کے خلاف تعصب کا کوئی پہلو پوشیدہ یا کھلا ہوا موجود نہیں اور دونوں ریاستوں میں اردو زبان کے حامیوں کے لئے آزادی کے ساتھ اپنی مادری زبان کی ترقی اور حفاظت کے لئے کام کرنے کے مواقع موجود ہیں۔

اتر پردیش اور بہار کی حکومتیں اور وہاں کے عوامی لیڈر بھی اگر جنوبی ہند کی اس اسپرٹ سے کچھ سبق سیکھ سکیں تو ملک کے اتحاد کو جو نقصان اتر پردیش اور بہار کے لسانی مسئلے کی کشمکش پہنچا رہی ہے اس سے ہمارا ملک اور دستور اساسی کا بنیادی تخیل محفوظ رہ سکتا ہے

ریاست میسور اور آندھرا میں جنرل سکریٹری کے دورے کی تفصیلی رپورٹ اسی اشاعت میں شائع کی جا رہی ہے۔

ہلکے ہلکے اشارے

——— کچھ عرصہ ہوا دہرہ دون میں صوبائی ہندی ساہتیہ سمیلن کا اجلاس ہوا جس میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ اتفاق رائے سے یہ تجویز پاس ہوئی کہ اردو کو علاقائی زبان کا درجہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ اردو کوئی زبان نہیں!!

——— شری سمپورنانند کی جے!!

اب پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ بات کیسے مان لیں کہ:۔

" اردو ہمارا قیمتی ورثہ ہے اور ہندوستان ہی کی پیداوار ہے اسے کسی طرح سے دبانا ایک ایسا افسوسناک واقعہ ہوگا جو آخر میں خود ہندی کو نقصان پہنچائے گا "

——— آپ ہی بتائیے ہم کیسے مان لیں!!

——— ڈاک خانوں میں ہندی کے جو منی آرڈر جاری کئے گئے ہیں وہ نئی ہندی زبان کے جواہر ریزوں سے مالا مال ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

بھارتیہ روپیہ پریشن	یعنی	منی آرڈر
رشی	"	رقم
پراپتی کرتا	"	رقم پانے والا
پریشک	"	رقم بھیجنے والا
نشر کتی	"	؟
پریشن ایت کا ندرنگ	"	؟
تنکر آتی ڈاک فین تدک	"	؟
پرمان کرتا	"	؟

——— دیکھا آپ نے یہ انگریزی زبان کو خارج البلد کیا جا رہا ہے اور اس کی جگہ یہ "قومی زبان" تشریف لا رہی ہے۔

——— ڈاکٹر رگھو ویرا کی جے!!

قومی زبانیں اور انکی نشو ونما

مدن گوپال کی کتاب .... کا

دسواں باب

گزشتہ سے پیوستہ

مغربی یورپی گروہوں میں جیسا کہ وہاں کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ انگریزی فرانسیسی، اطالوی اور ہسپانوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ ملی ہوئی ہیں ان کے کارناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کی تہذیب کو اس لسانی اتصال سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے جنوبی ایشیا میں فارسی اور ہندستانی، اس کے باوجود کہ انھوں نے بہت قرض لیا ہے، تہذیبی ترقی کی اچھی مثالیں ہیں۔

سوویٹ اور اطالوی فسطائیوں نے بھی لسانی صفائی کی کوششیں کیں۔ اس کے نتائج ابھی تک موثر نہیں ہیں جسٹس ڈی کی روشن لسانی کانگریس نے زبان کو شدھ کرنے کو دفنا دیا ہے۔ جو اپنی بہترین صورت میں بیجا علمیت اور بدترین صورت میں آمرانہ اور جارحانہ بتاؤ ہے مغرب میں اس نظریے سے سب متفق ہیں۔ آج رائے عامہ یہ ہے کہ ——— " زبان وہ ہے جو عوام بولتے ہیں نہ کہ وہ جو کوئی سوچتا ہے کہ انھیں بولنی چاہئے "

اس کوئی کی اہمیت نہیں ہے، خواہ حکومت، ہو تعلیمی ادارہ ادبی انجمن یا بنارس ہو۔

کبھی کبھی تجزیے سے غیر متوقع نتائج برآمد ہوتے ہیں انگریزی میں بہت سے آسان اور عام الفاظ ہیں جن کا ماخذ نہ تو اینگلو سیکسنی ہے اور نہ ہی لاطینی۔ اسی طرح جدید ہندستانی زبانوں میں بہت سے الفاظ ایسے ہیں جن کا ماخذ نہ ہند ایرانی ہے نہ دراوڑی یا جنوبی ہے۔

انگریزی الفاظ ——— ڈیری، آنٹر، کلاکی، اٹل، کینٹ، پیٹے، پیپن، باکس، کیس، پوٹر، ڈریس، پلش، فائٹ وغیرہ وغیرہ کا ہندستانی الفاظ سے مقابلہ کیجئے ——— گلا، گوڈ، تیل، بلی، لنگ، جنیا، باپ، کورا، اماری، اچل، لک، جبین، ڈھنڈ، نوٹ، پکا، پال، روٹی، تے، ٹھاٹھ، اودا ——— بقول مسٹر چٹرجی ان الفاظ کی مکمل فہرست نہیں بنائی، ان میں سے بہت سوں کا ماخذ سامی یا ترکی زبانیں ہے۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ کا سراغ پہلی پراکرت میں مل جائے۔ جو پانینی کی پیدائش سے پہلے ہندستان میں بولی جاتی تھی، یہ سوال اب بھی باقی رہتا ہے کہ پراکرت کو یہ الفاظ کیسے ملے ہیں ——— اسلئے کہ بہت سے جدید ہندستانی زبانوں کے الفاظ بچے بچے کی زبان پر ہیں دوسری زبانیں بھی ان کو محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ ان کو ہماری قومی زبان ہندی سے چھانٹا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں سنسکرت کے الفاظ جگہ پا سکتے ہیں جو سب سے زیادہ پاک ہیں ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ایسا معلوم

ہوتا ہے ان کے بہت سے الفاظ بنیادی خیالات کا اظہار کرتے ہیں. مثلاً باپو کے بجائے پتا، اس لئے کہ پتا سنسکرت ہے۔ اور باپو پیچھے، اور یہ سب باپو (گاندھی) کے ملک میں ہوتا ہے۔

زبان کو پاک کرنے کی تمام بحث محض فریب ہے۔ مسٹر چٹرجی کے قول کے مطابق فارسی اور عربی کے بہت سے الفاظ ہندستانی کا حصہ بن چکے ہیں جن کی تعداد پانچ ہزار تک ہے۔ یہ اندازہ اس حقیقت پر مبنی ہے کہ بنگالی میں (۲۵۰۰) دو ہزار پانچ سو الفاظ فارسی اور عربی اخذ کئے ہیں. بہت سے ان میں روزآنہ کے استعمال کے سکوں کی حیثیت رکھتے ہیں. جن کے بغیر آسانی سے کام ہونا دشوار ہے اور جن کے ہم معنی سنسکرت الفاظ موجود ہیں۔ یہ سنسکرت بنانے کا جنون سخت قسم کی فرقہ پرستی ہے اور وہ بھی بدترین درجے کی جس سے ایک فرقے کو نفرت کا اظہار ہوتا ہے. ظاہرہ مقصد زبان کو پاک کرنا ہے، فرقہ پرستی، جدید اخوت اور مساوات کے تصورات سے مقابلہ نہیں کر سکتی، پھر بھی وہ ایک عقیدہ بن گئی ہے اگر وہموں کے اغراض کی طرح سے اس نے بھی بے جوڑ حقائق کو ملانے کا کرشمہ کیا ہے۔ صرف کسی کی نفرت کو اعلانیہ مقصد بنانا بہت ہی غیر عقلی ہوتا۔ اس لئے مقصد ہے زبان کو پاک کرنا اور اس طرح عوام کی نظروں سے غیر عقلی مقصد کے عمل کو پوشیدہ رکھنا ہے اس کو اخلاقی جامہ پہنانا فضول ہے۔ اس لئے کہ یہ ذہنی بد چلنی ہے جو کسی بھی صورت میں، کم یا زیادہ درجے میں، کسی بھی ملک یا سماج میں اپنی مثال نہیں رکھتی ہے۔ البتہ ذرا سا فرق یہ ہے کہ دوسرے سماج روحانیت کے کم قائل ہیں اس لئے ہمارے مقابلے میں زیادہ سچے اور ایماندار ہیں۔ اس قسم کی کشمکش میں جو حربہ استعمال کیا جاتا ہے وہ حقیقی مقصد کی فراموشی یا مسخ کرنا یا دونوں طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔

جہاں اصل حقائق اور اصل مقصد کے کھل جانے کا خطرہ ہوتا ہے وہاں بحث سے بچنے کی شعوری کوشش کی جاتی ہے اور کسی حد تک یہ موضوع ممنوعہ ہو جاتا ہے۔ ہندی کے ادیب اس مسئلے پر بہت کم وہ میں یا ہم اس کے معنوں میں بحث کرتے ہیں، وہ ہمیشہ "ہم لوگ" اور وہ بھی کسی خاص فرقے کے لوگ کے معنوں میں بحث کرتے ہیں جب بھی اور جہاں بھی وہ واحد متکلم میں بحث کرتے ہیں تو "بدیسی الفاظ" کو استعمال کرنا پسند کرتے ہیں. یہاں گروپ نفسیات کے اس اہم نکتے کو سمجھنا ضروری ہے. جبکہ گروپ تعصبات ہوتے ہیں یا پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں تو افراد حتیٰ کہ خوشحال افراد کو جبر کا احساس ہوتا ہے جو ان کے اختیار سے باہر ہے۔ یہ احساس مجبوری اور غیر ذمہ داری کی اس بیماری کی شدت کو ظاہر کرتا ہے جس میں سماجی گروپ مبتلا ہے۔ فارسی الفاظ کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اردو شاعری کو غلط نقل کرکے اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور مسخ کیا جاتا ہے، مصنوعی دریافت، بیماری کی ابتدا ہے جو مصنوعی مسائل کو جنم دیتی ہے۔ اردو شاعری کو جنسی اور غیر اخلاقی نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے کہ برج شاعری کرشن اور گوپیوں کی ناجائز محبتوں سے بھری ہوئی نہیں ہے۔ جہاں بھی ایک عام زبان اور مشترکہ رسل و رسائل رکھنے والے

افراد میں تصادم ہوتا ہے مخالفت اور تیز ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے کی نفرت سے واقف ہونے کی وجہ سے اس برتاؤ کے لئے جواز تلاش کئے جاتے ہیں تاکہ دوسرے گروپ کے طرز عمل کا جواب دیا جا سکے جس نے بھی اردو ہندی مسئلے کے ادب کا دوسرا حصہ بھی پڑھا ہے۔ وہ یہ سوال پوچھے بغیر نہیں رہ سکتا. کیا یہ ہندوؤں کے لئے مناسب ہے کہ اس کو وہ ہندی کہیں جو زبان کہ نفرت کی پیداوار ہو اور اس کو قومی زبان بنالیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ مسلمانوں کی تعداد ہندستانی قوم کا قابل لحاظ حصہ ہے۔

میں سب سے پہلے اس یا ہی گروپ کے افراد جو ایک ہی عام زبان بولتے ہیں کی آویزش سے اس وقت آشنا ہوا جبکہ میں اسکول میں پڑھتا تھا اور گجراتی میں دلچسپی تھی۔ قدرتی طور سے اس زمانے کے نقوش بہت دھندلے ہیں پھر بھی اتنا یاد ہے کہ دو گروہ تھے ایک سنسکرت کا حامی اور دوسرا فارسی الفاظ کا ——— میرا گجراتی کا شوق عارضی تھا اس لئے طبعی ختم ہو گیا. مجھے اتنا ضرور یاد ہے کہ دونوں گروپ ایک ہی زبان بولتے اور لکھتے تھے اس لئے بحث بہت تلخ تھی، یہاں بھی جغرافیہ کی طرح بمبئی ایک دارالسلطنت تھا، وہاں کی با اثر اور کثیر فرقے کی زبان کی جیت ہوئی، گو کہ جدید تحریرات میں ایک قسم کی مصالحت نظر آتی ہے لیکن دونوں اسکولوں کی تحریرات میں ابھی تک کوئی مطابقت نہیں ہوئی ہے۔ شاید اس سے مسٹر منشی کی سنسکرت کے الفاظ کی حمایت کا پتہ چل سکے۔

بنگال میں تین زبانیں بولی جاتی تھیں. کلکتہ کے دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے وہاں کی زبان صوبائی زبان قرار پائی۔ بنگال میں تمام شمالی ہند کی زبانوں کے مقابلے میں سب سے بہتر ادب ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) کلکتہ ایک مدت تک پورے ہندستان کا دارالسلطنت رہا۔
(۲) تمام شمالی ہند کی زبانوں کے مقابلے میں بنگالی کو مادری زبان کی حیثیت سے بولنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل پرانی مردم شماری کے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے، آج کی مردم شماری کے اعداد گھڑے ہوئے ہیں۔

بنگالی ۵ کروڑ، ۳۰ لاکھ، مغربی ہندی ۷ کروڑ، [illegible] جنوبی ہندی ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ، بہاری ۳ کروڑ ۷ لاکھ، پنجابی ۲ کروڑ ۲۰ لاکھ، مرہٹی [illegible] دس لاکھ، گجراتی ایک کروڑ ——— اس لئے یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ ہندستانی کا قومی بھجن اور قومی نعرہ دونوں بنگال کے ہیں۔ بلاشبہ سے مرہٹی کی طرح بنگالی بھی استبدادی حکومت اور جاگیردارانہ سماج میں پروان چڑھی تھی جبکہ جمہوریت کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ جو ادب پیدا ہوا وہ جاگیردارانہ تھا۔ پونا کی زبان جو مرہٹہ کا دارالسلطنت ہے لاہور کی زبان جو پنجاب کا دارالسلطنت ہے حسب ترتیب مرہٹوں اور پنجابیوں کی ادبی زبانیں ہیں. جغرافیائی نقطہ نظر سے بنارسی ہندی کے لئے کوئی موقع نہیں ہے۔

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اردو کو علاقائی زبان بنانے کی حمایت میں جو رائیں آئی ہیں ان میں سب سے زیادہ موثر اور منطقی رائے شمالی ہند کے کثیر الاشاعت اخبار روزنامہ "ملاپ" دہلی کے ایڈیٹر شری رنبیر نے دی ہے۔ آپ نے "اردو کی پوزیشن" کے عنوان سے ایک ایڈیٹوریل لکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کا پریس جتنا پرجوش اور زندہ ہے اتنا ابھی راشٹر بھاشا ہندی کا بھی نہیں ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ اردو کو بطور ایک علاقائی بھاشا کے زندہ رہنا چاہئے اور اس کے لئے کوشش ہونی چاہئے"

پورا ایڈیٹوریل درج ذیل ہے۔

"ہمارے دیش میں اردو کی پوزیشن کیا ہے؟ آزادی کو سات برس ہو چکے۔ اس کے باوجود دیش میں اردو کے کتنے ہی روزانہ، ہفتہ وار اور ماہوار اخبار شائع ہوتے ہیں۔ ہمارے کتنے ہی کوی اور ساہتیہ کار اردو میں لکھتے ہیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو پریس جتنا پرجوش اور زندہ ہے اتنا ابھی راشٹر بھاشا ہندی کا بھی نہیں ہے۔ آج بھی ہمارے لیکچرار اور اپدیشک چاہے وہ دھرم کے متعلق لکھ اور بول رہے ہوں یا راجنیتی کے متعلق اپنے طرز بیان میں زور پیدا کرنے کے لئے اردو کے شعر استعمال کرتے ہیں۔ آج بھی ہم اردو کے کویوں اور ساہتیہ کاروں کی تحریروں کو اپنے دیش کے ساہتیہ کا بیش قیمت سرمایہ سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اردو کی پوزیشن کیا ہے۔ یقینی طور پر ہم اسے راشٹر بھاشا نہیں بنا سکتے ... اس میں خوبیاں ہیں ضرور۔ لیکن راشٹر بھاشا بننے کی صلاحیت نہیں۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے اس کا رسم الخط یعنی جو ٹائپ کی قید میں آنا نہیں چاہتی۔ حیدرآباد کے نظام صاحب نے ایک بار اردو کا ٹائپ رائج کرنے کی کوشش کی تھی۔ کروڑوں روپیہ انھوں نے خرچ کیا لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ پاکستان نے اردو کو اپنی قومی زبان بنایا تو اردو کا ٹائپ بنانے کی یہ کوشش پھر شروع ہوئی۔ امریکہ میں اس ٹائپ کو بنایا گیا۔ حکومت پاکستان نے اس ٹائپ کو استعمال کرنے کا دعویٰ بھی کیا لیکن بھاری تردد اور محنت کے بعد جب یہ ٹائپ بنا اور تجربے کے لئے کراچی "اردو ڈان" نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو لوگوں نے حیرت سے دیکھا کہ اس نئے ٹائپ میں لکھی اردو کو وہ نہیں پڑھ سکتے۔ یہ "اردو ڈان" اس نئے ٹائپ کے ساتھ چل نہیں سکا۔ ختم ہو گیا اور اردو کے حامیوں نے ایک بار پھر محسوس کیا کہ فارسی کا رسم الخط ٹائپ کی قید میں نہیں آ سکتا۔ تجربے اب بھی ہو رہے ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ میں کچھ لوگ رات دن اس کے لئے محنت کر رہے ہیں لیکن ان کی محنت سپھل ہوگی اس کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ اسی خامی اور کمزوری کی وجہ سے اردو نہ تو ہمارے دیش کی راشٹر بھاشا بن سکتی ہے اور نہ بنی۔ یہ استھان صرف ہندی کو مل سکتا تھا اور یہی طور پر ملا۔ لیکن راشٹر بھاشا بننے بغیر بھی تو ایک زبان زندہ رہ سکتی ہے۔ ہمارے دیش میں تقریباً ۱۵ بھاشائیں ہیں اور وہ سب کی سب راشٹر بھاشائیں نہیں ہیں۔ اس کے باوجود وہ بولی جاتی ہیں اور لکھی جاتی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ اردو بھی ویسے طور پر بولی اور لکھی جاتی ہے۔ ہندی کے راشٹر بھاشا بننے کے بعد بھی اردو کا پریس ہندی کے پریس سے زیادہ بااثر، پرجوش اور طاقتور ہے لیکن اس کے باوجود اردو کی پوزیشن کیا ہے؟ راشٹر بھاشا وہ ہے نہیں، بن نہیں سکتی تھی، اس میں صلاحیت نہیں تھی۔ آج کسی علاقے کی زبان بھی تو وہ نہیں۔ عملی طور پر ہندوستان بھر میں بولی اور سمجھی جانے والی بھاشاؤں میں انگریزی اور ہندی کے بعد تیسرے درجے پر ہے۔ آئینی اور قانونی طور پر کسی بھی درجے پر نہیں۔ نہ وہ ہندوستان کی بھاشا ہے نہ کسی صوبے کی۔ تب اس کی پوزیشن کیا ہے؟ بھوشیہ کیا ہے؟ یہ کہنا کہ اردو اس ملک کی اندر کسی کی زبان نہیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ اسے بھی پاکستان بدر کر دیا گیا۔ سراسر غلط ہے۔ زبانیں نہ تو آج تک کبھی جلاوطن ہوئی ہیں نہ آئندہ ہو سکتی ہیں۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اردو مسلمانوں کی بھاشا ہے اس لئے اسے ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں ملنی چاہئے۔ بھاشاؤں کا کبھی کسی مذہب سے تعلق نہیں ہوا۔ آج بھی نہیں ہے۔ اردو کے بہترین کوی اور ساہتیہ کار ہندو تھے۔ اردو اخباروں میں سب سے زیادہ چھپنے والے اور سب سے زیادہ بااثر اخبار ہندوؤں کے ہیں۔ تب اس قدر قدرتی اور مصنوعی بات کو ہم کیوں مان لیں کہ اردو مشرف باسلام ہو چکی۔ اس لئے ہندوؤں کو اس کا بائیکاٹ کر دینا چاہئے۔ ایسا کرنا خود اپنے ساتھ ناانصافی کرنا ہے۔ اس مہان ساہتیہ کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے جو اردو بھاشا میں پیدا ہو چکا ہے اور جسے پیدا کرنے کے لئے ہندوؤں نے مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ ایسی حالت میں ہم سمجھتے ہیں کہ اردو کو بطور ایک علاقائی بھاشا کے زندہ رہنا چاہئے اور اس کے لئے کوشش ہونی چاہئے"

(افکار بھوپال)

اعداد و شمار کی زبان سے

اردو صحافت کی ہمہ گیری

بمبئی ۱۴ر اگست۔ ہندوستان میں حصول آزادی کے بعد اخبارات و رسائل کی تعداد میں بہت کافی اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ صرف اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگست ۱۹۴۷ء میں تین ہزار اخبارات و رسائل شائع ہوتے تھے اور یکم اپریل ۱۹۵۵ء کو ان کی تعداد ۴۱۲۴ تک پہنچ گئی۔

اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی کے بعد سب سے زیادہ رسالے اردو میں نکلتے ہیں اور مجموعی طور پر اردو اخبار و رسائل کی تعداد تیسرے نمبر پر ہے۔

اخبارات پڑھنے والے

ہندوستان میں اخبارات پڑھنے والوں کی تعداد البتہ بہت ہی کم ہے۔ برطانیہ میں ایک ہزار لوگوں میں سے ۵۹۶ افراد اخبار پڑھتے ہیں جب کہ ہندوستان میں ایک ہزار میں سے صرف چھ اخبار پڑھنے والے ہیں۔ نیچے تفصیلی اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱)	برطانیہ میں ایک ہزار میں	۵۹۷
(۲)	امریکہ " " "	۳۵۴
(۳)	اسرائیل " " "	۲۳۵
(۴)	جاپان " " "	۲۲۴
(۵)	لبنان " " "	۸۱
(۶)	لنکا " " "	۲۷
(۷)	فلپائن " " "	۲۵
(۸)	عراق " " "	۱۰

ہندوستان کے اخبارات

	زبان	روزنامے	کل اخبارات ورسائل
(۱)	ہندی	۱۴۷	۱۹۵۵
(۲)	انگریزی	۷۴	۱۲۷۷
(۳)	اردو	۱۷۰	۹۵۷
(۴)	بنگالی	۲۴	۷۷۰
(۵)	مرہٹی	۵۳	۳۴۹
(۶)	ٹامل	۱۵	۵۱۸
(۷)	تیلگو	۸	۳۳۵
(۸)	ملیالم	۱۳	۱۹۱
(۹)	کنڑی	۲۸	۱۷۷
(۱۰)	گجراتی	۴۸	۳۵۰
(۱۱)	گورمکھی	۲۲	۱۱۵

کتب خانہ اشرفیہ کا تاریخی پس منظر

(از حسن مثنیٰ انور علیگ اشرفی کنوینر انجمن ترقی اردو کچھوچھہ شریف)

اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ میں کتب خانہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد کی تنظیم جدید اصولوں پر کر رہا ہوں۔ کتب خانوں کی تہذیب و ترتیب کا کام کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ کتب خانہ اشرفیہ کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا سنگ بنیاد آج سے کئی سو برس پہلے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا اور آپ کی حیات ہی میں یہ کتب خانہ علم معقول و منقول سے متعلق اور تاریخ و تصوف کی بیش بہا کتابوں سے آراستہ ہو گیا تھا اور دور دور سے لوگ حضرت کی خانقاہ میں تشریف لاتے تھے اور تشنگان علم حضرت کے تبحر علمی اور جمال روحانی سے علم و معرفت اور حقائق و معارف کے سرچشمہ بن جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے خلفا میں حضرت نظام یمنی (مولف لطائف اشرفی) کے علاوہ ایسے بھی لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے "بحر ذخار" اور "بحر مواج" جیسی بے مثال تصنیفات پیش کیں۔ افسوس ہے کہ انقلاب زمانے کے باعث یہ دونوں نادر تصنیفات روئے زمین سے معدوم ہو گئیں۔ (بعض روایتوں کے مطابق "بحر ذخار" کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ رشیدیہ جون پور میں موجود ہے) حضرت کے وصال کے بعد آپ کے حقیقی بھانجے اور پہلے سجادہ نشین حضرت عبد الرزاق نور العینؒ نے تبلیغ و تدریس علم دین و معرفت کا سلسلہ جاری رکھا اور آپ کے عہد زریں میں کتب خانہ کی کافی توسیع ہوئی اور بیشتر قلمی کتب تاریخ و تصوف کا اس میں اضافہ ہوا۔

رفتہ رفتہ یہ کتب خانہ زمانہ کے الٹ پھیر کے ساتھ مختلف سجادگان میں منتقل ہوتا رہا اور اسی درمیان میں ایک ایسا بھی وقت آیا کہ حضرت مخدوم کی شاندار تعلیمات و روایات کی روشنی مدھم پڑ گئی اور کتب خانے کا بڑا حصہ ناقدری و ناشناسی کا شکار ہو گیا۔ مگر حضرت جنت نصیب سید شاہ علی حسین صاحبؒ نے اپنے عہد سجادگی میں ایک بار پھر خاندانی وقار کو بلند کیا اور خاندان کی عظیم الشان قدیم روایتوں کو زندہ کیا۔ آپ نے تحصیل علم کے لئے "جامعہ اشرفیہ" کی بنیاد ڈالی اور لوگوں میں دینی تعلیم کا جذبہ پیدا کیا۔ اسی سلسلے میں آپ نے کتب خانے کی بھی اصلاح فرمائی اور مختلف ممالک سے نادرات منگوائے مگر آپ کی وفات کے بعد کتب خانہ پھر بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں پڑ گیا۔ کتب خانے کی یہ بے بسی درحاصل ہماری زندگی کی بدترین مثال تھی۔ اس لئے میں نے حضرت محدث صاحب قبلہ کی خدمت میں کتب خانے کی دوبارہ تنظیم و ترتیب کی درخواست پیش کی اور میری اس درخواست کو حضرت نے نہ صرف قبول فرمائی بلکہ اس سلسلے میں ہر ممکن امداد کا بھی وعدہ فرمایا۔ اس کے بعد میں نے صاحب سجادہ حضرت مولانا سید محمد مختار اشرف صاحب کے نور نظر مولوی سید اظہار اشرف صاحب سلمہٗ کو کتب خانے کی اصلاح کی جانب توجہ دلائی اور ان صاحبوں نے میری اس رائے پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا اور صاحب سجادہ کی اجازت حاصل کر کے تقریباً آٹھ سو سال کے اس انمول سرمائے کو اپنی محنت شاقہ اور انتہائی کوششوں سے فنون وار منقسم کیا۔

کتب خانہ اشرفیہ میں مطبوعہ کتابوں کی بہ نسبت قلمی نسخے زیادہ ہیں۔ ان میں اکثر نوادر ہیں اور نایاب ہیں۔ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، ادب اور طب کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے۔ کتب خانے کا ایک نادر نسخہ "مکتوبات اشرفی" آج کل جناب خلیق احمد نظامی ریڈر شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے زیر مطالعہ ہے جس سے وہ اپنی مایۂ ناز کتاب "تاریخ مشائخ چشت" کیلئے مواد فراہم کر رہے ہیں۔ کتب خانہ اشرفیہ اپنی باقاعدہ ترتیب کے بعد ملک کے ممتاز ترین کتب خانوں میں شمار کیا جائے گا۔ اور اس سے اس کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے گا کہ مشائخ کرام نے اپنی خانقاہی زندگی میں دین و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی کیسی کیسی حیرت انگیز خدمتیں انجام دی ہیں۔ ہندوستان کی تمام مشہور خانقاہوں میں نادرات کا بیش بہا ذخیرہ موجود ہے جن کی ترتیب کی ضرورت ہے تاکہ اہل ذوق استفادہ کر سکیں۔

آندھرا اور ریاست میسور میں

انجمن کے جنرل سکریٹری کا دورہ

(از۔ نامہ نگار)

کرنول ۳۱ر جولائی کو ۹ بجے جناب قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد سے بنگلور جاتے ہوئے کرنول اسٹیشن پر انجمن ترقی اردو کرنول کے صدر، سکریٹری، جوائنٹ سکریٹری اور دوسرے اراکین انجمن اور ممبروں سے ملاقات کی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ تک قاضی صاحب سے گفت و شنید رہی اس قلیل مدت میں قاضی صاحب نے اپنے زریں خیالات، دانشمندانہ مشوروں اور مخلصانہ رائے سے انجمن کو نوازا جس کی انجمن ایک مدت سے محتاج تھی۔

قاضی صاحب نے انجمن کے طریقۂ عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انجمن کا سب سے بہترین اقدام وہ ہوگا جس کی بدولت اردو کا بیش بہا لٹریچر محفوظ رہے اور اردو کے بولنے، لکھنے اور پڑھنے کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو جہاں تک ہوسکے اردو بولنے پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور اس اہم اور ضروری امر کی تکمیل کے لئے انجمن کا فریضہ ہے کہ ملک بھر میں شبینہ مدارس کا جال بچھا دے۔ لائبریریوں کی تعداد بڑھائی جائے۔ عوام کو اردو پڑھنے اور لکھنے کی ترغیب دلائی جائے۔ اور نہ صرف کرنول میں بلکہ کرنول کے اطراف واکناف کے اضلاع اور تعلقوں میں بھی ادبی ذوق رکھنے والے حضرات کی انجمنیں قائم کی جائیں جن کا تعلق صوبائی انجمن سے ہو اور وہ بھی صوبائی انجمن کے طریقۂ عمل پر کاربند رہیں۔

قاضی صاحب نے صوبہ آندھرا کی سرزمین کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کا یہی وہ قطعہ ہے جہاں زبان کے مسئلے پر تعصبانہ نعرے نہیں لگائے جاتے فرقہ وارانہ آوازیں نہیں اٹھتیں۔ اشتعال انگیز ہنگامے نہیں ہوتے بلکہ اس سرزمین پر ہر زبان سکون و اطمینان کی سانس لیتی ہے اور اپنی بقا و ترقی کا دائرہ وسیع کرنے میں کوشاں رہتی ہے۔

قاضی صاحب نے نوجوانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ نوجوان زبان کی حفاظت اور اس کی بقا و ترقی میں جذبات سے کام نہ لیں بلکہ آہستہ آہستہ سکون و اطمینان کے ساتھ ایسے ٹھوس اور عملی اقدامات اٹھائیں جن کی بدولت زبان اردو آسمان ترقی پر آفتاب و مہتاب بن کر درخشاں رہے۔

قاضی صاحب کے حسب ایماء ۵ اگست کی شام کو پھر شاخ کرنول کے سکریٹری روزنامہ کے اسٹیشن پر قاضی صاحب سے ملے اور ان کے ہمراہ کرنول تک آئے۔ اس دوران میں قاضی صاحب نے تمام ضروری ہدایات اور تجاویز کے متعلق قاضی صاحب سے تفصیلی گفتگو کی۔ رات کو ۱۰ بجے کرنول اسٹیشن پر بہت سے احباب موجود تھے جنھوں نے قاضی صاحب سے ملاقات کی۔ قاضی صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ کچھ عرصے بعد ضرور کرنول آئیں گے۔

بنگلور یکم اگست کی صبح کو قاضی صاحب بنگلور پہنچے جہاں اسٹیشن پر بنگلور کے معززین نے موصوف کا خیر مقدم کیا۔ اسٹیشن پر تشریف لانے والوں میں حسب ذیل معززین نمایاں تھے۔

جناب محمود شریف صاحب سابق وزیر صحت حکومت میسور و صدر استقبالیہ کمیٹی، جناب آغا محمد رحیم صاحب خلیلی شیرازی، جناب سید عبدالقادر صاحب سکریٹری سنٹرل مسلم اسوسیشن، کلیم الملک جناب سید غوث محی الدین صاحب ایم ایل سی ایڈیٹر روزنامہ الکلام، جناب محمد ابراہیم شریف صاحب نوید، جناب خواجہ محمد حبیب احمد صاحب صدر مجلس ادب، جناب مظہر امید صاحب، جناب منظور احمد صاحب سکریٹری مجلس ادب، جناب محمود شریف صاحب نائب سکریٹری مجلس ادب، جناب عبدالماجد صاحب، جناب عبدالغفور صاحب جناب عبدالحلیم صاحب (اراکین مجلس عاملہ) جناب حکیم محمد امامی صاحب۔ ریلوے اسٹیشن سے جناب قاضی صاحب مع احباب کے شیش ہوٹل تشریف لے گئے۔ ۹ بجے سے دوپہر تک بہت سے احباب نے قاضی صاحب سے ملاقات کی۔ شام کے ۷ بجے مسلم ہال میں جناب محمود شریف صاحب کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں شہر اور مید منجات کے بہت سے احباب شریک تھے۔ جناب عبدالغفار صاحب بورڈ مسلم ہاسٹل نے قرآن خوانی سے جلسے کا افتتاح کیا اور جناب مرزا نذیر حسین صاحب نذیر نے جناب قاضی صاحب کے خیر مقدم میں ایک ولولہ انگیز بہترین نظم پڑھی جو نہایت پسند کی گئی۔

اس نظم کے پڑھے جانے کے بعد صدر محترم نے ایک پرمغز تقریر کے دوران میں جناب قاضی صاحب کی بیش بہا خدمات اردو کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ کی تشریف آوری سے باشندگان بنگلور کو مستفید ہونے کا مشورہ دیا۔

جناب قاضی عبدالغفار صاحب نے مذکورۂ بالا پرمعنی نظم اور جناب صدر کی بلیغ تقریر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ جنوبی ہند میں ترقی اردو کے لئے بنگلور ایک نہایت موزوں مرکز ہے آپ تمام صاحبوں کو متفقہ طور پر ترقی اردو کے لئے کوشش بلیغ کرنے کی ضرورت ہے۔ وغیرہ۔

قاضی صاحب نے فرمایا کہ پرجوش نعروں اور تقریروں اور قراردادوں سے زیادہ ضروری تعمیری کام ہے۔ مرکزی انجمن ترقی اردو چاہتی ہے کہ بنگلور کو مرکز بنا کر اردو زبان کی تحریک کو تمام جنوبی ہند میں پھیلائے۔ انھوں نے فرمایا کہ مجھے خوشی ہے کہ بنگلور اور میسور کے ان باشعور احباب نے ان کی آواز پر لبیک کہی ہے۔

اس تقریر کے بعد کلیم الملک جناب سید غوث محی الدین صاحب نے جلسۂ عام سے منظوری کے لئے ایک قرارداد پیش کی جس میں انجمن ترقی اردو کی شاخ بنگلور میں قائم کرنے اور اس کا مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کے ساتھ حسب قواعد و ضوابط الحاق کرنے اور اس کام کے لئے عارضی طور پر ایک کمیٹی مقرر کرنے کی تحریک پیش کی۔ جو بالاتفاق منظور ہوئی۔

۲ر اگست کو اخبار پاسبان کے دفتر میں مجلس ادب کے زیر اہتمام قاضی صاحب کے اعزاز میں ایک خاص جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت جناب محمد اسمٰعیل صاحب تابش مدیر پاسبان نے کی۔ اس اجلاس میں مجلس کے اراکین کے علاوہ مقامی

شعرا اور ادبا اور اخباری نمائندوں نے شرکت کی ــــــ چائے نوشی کے بعد جلسہ شام کے ۵ بجے شروع ہوا۔ اس کا آغاز آیات تلاوت قرآن سے ہوا اس کے بعد جناب حکیم عبدالمستقیم خاں صاحب دانش نے معزز مہمانوں کا تعارف کرایا۔ تعارف کے بعد مجلس ادب کے صدر جناب عبدالمجیب صاحب نے اردو زبان اور مجلس ادب کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

جناب قاضی عبدالغفار صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے تقریر کرتے ہوئے اردو زبان کی موجودہ حالت کو اجاگر کیا۔ انھوں نے اس امر پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کسی ایک قوم سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کے بولنے والے ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی ہیں۔

قاضی صاحب نے بتایا کہ تقسیم سے پہلے اردو زبان کو جس نقطۂ نظر سے جانچا گیا اور جو تحریک اٹھائی گئی اور جس طرح اس کا دامن فرقہ دارانہ سیاست سے باندھا گیا۔ اس کا اثر ہمارے لئے آج مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ آج ادبی و سیاسی تعصبات کی بنا پر ہندی اور اردو کا جو جھگڑا پیدا کر دیا گیا ہے وہ بہت جلد ختم ہو جائے گا اور اردو کو اس کا جائز مقام حاصل ہو کر رہے گا۔

انھوں نے انکشاف کیا کہ مقاصد کے حصول میں عوام ہی کارآمد ثابت ہوئے ہیں خواص سے ہمیں کوئی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ انھوں نے اتر پردیش کی علاقائی تحریک کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کس طرح عوام نے اس مہم کو کامیاب بنانے کے لئے بیس لاکھ دستخط بھیج لئے۔

تقریر کے دوران میں انھوں نے ترقی پسند ادب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ سے ترقی پسند ادب کا حامی رہا ہوں لیکن ہمیں قدیم ادب کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔

اختتام پر انھوں نے مشورہ دیا کہ ہمارے ادب کو دوسری زبانوں میں ڈھالنا چاہئے اس طرح اجنبیت کی دیوار منہدم ہو جائے گی۔

جناب محمد اسماعیل صاحب تابش نے اپنی صدارتی تقریر میں اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو خود اپنے ہی صوبہ سے جلاوطن کر دی گئی ہے انھوں نے قاضی صاحب کو اس بات کا یقین دلایا کہ وہ اس مہم میں تنہا نہیں بلکہ ان کے ساتھ پورے ہندوستان کی نیک تمنائیں شامل ہیں۔

اس اجتماع میں شرکت سے پہلے قاضی صاحب سینٹ جوزف کالج میں تشریف لے گئے جہاں طلبہ کا ایک جلسہ زیر صدارت جناب آغا محمد عباس صاحب سوشتری منعقد ہوا۔ جلسے میں رکن الملک سید عبدالواجد صاحب شیرازی جناب محمود شریف صاحب صدر انجمن ترقی اردو بنگلور۔ جناب سید جلال الدین صاحب لکچرار سنٹرل کالج۔ جناب محمد ابراہیم شریف صاحب نوید بنگلوری جناب سید عبدالعلیم صاحب ایم۔ اے۔ بی ملیگ جائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو بنگلور اور کالج کے طلبا کثیر تعداد میں شریک تھے۔ جناب پروفیسر عبدالبصیر صاحب بی۔ اے نے ایک مختصر تقریر کے دوران میں قاضی صاحب کا پرتپاک خیرمقدم کیا جس کے جواب میں جناب قاضی صاحب نے اردو کی اہمیت اور اس کی نشر و اشاعت پر زور دیتے ہوئے بنگلور میں قائم کردہ انجمن ترقی اردو کے ساتھ طلبا کو تعاون کرنے کی ہدایت فرمائی۔ صدر جلسہ نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے طلبا کو قاضی صاحب کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے پر توجہ دلائی بعد ازاں ایک عصرانہ دیا گیا۔

۲۰ اگست کی شام کو قاضی صاحب نے مسلم لائبریری کا معائنہ کیا اور اس کے بعد شہریوں کے ایک جلسے کو خطاب کیا جس میں موصوف نے اہل بنگلور کو ہدایت کی کہ وہ انجمن ترقی اردو کی شاخ بنگلور کی پوری تائید کریں اور تحریک کو آگے بڑھائیں۔

اس جلسے کے بعد قاضی صاحب نے شعرائے بنگلور کے ایک اجتماع میں شرکت کی جہاں بنگلور کے نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ نوجوانوں کو محض مشاعروں میں اپنا کلام سنانے کے شوق میں شاعری شروع کر دینی نہ چاہئے بلکہ اس وقت شعر لکھنا چاہئے جب ان کے اندر سے کوئی طلب، ور تقاضا پیدا ہو۔ یہ فن ایک وجدانی فن ہے۔ محض اکتسابی نہیں ہے۔ مشاعرے کے بعد قاضی صاحب حکیم امامی صاحب کا مدرسہ شبینہ دیکھنے گئے۔

چار روز کے اس قیام میں ہر مکتب خیال کے لوگوں سے قاضی صاحب نے ملاقاتیں کیں۔ اور ان کی آمد کا یہ اثر ہوا کہ اردو زبان کی حمایت و حفاظت کا ایک عام جوش و خروش پیدا ہو گیا اور ایسے با اثر اصحاب نے اس تحریک کی ذمہ داری قبول کر لی جو جنوبی ہند میں اردو زبان کی تحریک کو پروان چڑھا سکتے ہیں اور ہر طرح اس کام کے اہل ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب نے باوجود خرابی صحت کے بنگلور میں چار دن بے حد مصروفیت کے ساتھ گزار کر ایک بڑی اور نئی تحریک کی بنیاد رکھ دی اور بغیر ان کے تشریف لائے یہ کام ممکن نہ تھا۔

انجمن کی خبریں

غازی پور

عزیزالحسن صدیقی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو غازی پور تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ضلع کے بیسک پرائمری اسکولوں میں اردو کے اجرا کے سلسلے میں کام بڑی تندہی کے ساتھ ہو رہا ہے اور ذیل کے مقامات پر کام مکمل ہو گیا ہے دیوتھا۔ نچپور الوا۔ اسیا۔ مینڈ۔ بشیر پور بلیا۔ بیھتری۔ ظفرالدین صاحب اسپیشل افسر کو الہ آباد ڈسٹرکٹ۔۔ انسپکٹر اسکولس کو اس کی اطلاعیں بھیج دی گئی ہیں اور جن مقامات کے ہیڈ ماسٹروں نے فارم لینے سے انکار کیا ہے ان کے نام اور پتے بھی اسپیشل افسر صاحب کو بھیجے گئے ہیں۔ ایک وفد بھی آج ضلع انسپکٹر آف اسکولس سے ملاقات کرے گا۔

مغل سرائے

انجمن ترقی اردو مغل سرائے کے ایک ممبر صاحب مطلع فرماتے ہیں کہ انجمن کی جد و جہد کے نتیجے میں اس سال نوٹی فائڈ ایریا کے ہائر سکنڈری اسکولوں میں اردو پڑھائی جانے لگی ہے

اور درجہ ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۹ میں اردو پڑھنے والے بچوں کی کافی تعداد موجود ہے۔

(۵) جے پور کے نئے اسکولوں میں بھی اردو بحیثیت اختیاری مضمون پڑھائی جا رہی ہے۔

بمبئی بمبئی کی شاخ انجمن ترقی اردو نے حسب ذیل اپیل اخباروں میں شائع کرائی ہے۔

بمبئی کے اردو داں حلقوں کی توجہ انجمن ترقی اردو بمبئی شاخ کی رکنیت کی توسیع کی مہم کی طرف کراتے ہوئے مجھے مسرت ہوتی ہے۔ مذکورہ انجمن نے پچھلے دس سالوں میں خاموش طریقے سے اردو کی جو خدمت کی ہے وہ محبان اردو پر واضح ہے۔ انجمن کی مجلس انتظامیہ کی خواہش ہے کہ انجمن کے اغراض و مقاصد ہر اردو داں پر واضح ہوں اور اردو کی خدمت کرنے والے افراد اور ادارے انجمن ترقی اردو کے قریب تر ہو جائیں تاکہ باہمی تعاون سے اس محبوب زبان کی خدمت کا حق ادا ہو سکے۔

اس وقت زبان کو گوناگوں دشواریوں کا سامنا ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ تمام بہی خواہان ایک پلیٹ فارم پر آئیں اور زبان کی خدمت کے لئے کوئی ٹھوس اور تعمیری لائحہ عمل تیار کریں۔ انجمن ترقی اردو بمبئی ہر مفید کام کا بیڑا اٹھانے کو تیار ہے۔ اسے مناسب مشورے کر اور اس سے امداد کا تقاضا کر کے اردو کے خدمت گار اپنی زبان دوستی کا ثبوت مہیا کر سکتے ہیں۔

امسال انجمن نے رکنیت کی توسیع کے لئے خاص قدم اٹھائے ہیں اور کوشش کی ہے کہ انجمن کے اغراض و مقاصد کا پیام ہر بہی خواہ اردو تک پہنچے ... سال بھر میں ہونے والی ادبی کارگزاریوں کا پروگرام بھی مرتب کیا جا رہا ہے اور جلد مشتہر کیا جائے گا۔

انجمن کی رکنیت کی توسیع کے سلسلے میں احباب سے درخواست ہے کہ وہ اپنے اہم فرض کے طور پر مندرجہ ذیل حضرات میں سے کسی ایک سے مل کر انجمن کے ممبر بن جائیں۔ اگر خود ملنے میں دشواری ہو تو ان میں سے کسی ایک کے نام دو پیسے کا کارڈ لکھیں ...... وہ ایڈیٹر حاضر ہو جائیں گے اور آپ کو ممبر بنا لیں گے۔

انجمن ترقی اردو ہند کی رکنیت کے لئے ہر شخص کو بلا لحاظ مذہب، فرقہ، نسل، رنگ، جنس اور سیاسی عقائد دعوت دیتی ہے۔ انجمن کا کسی سیاسی یا مذہبی ادارے یا تحریک سے تعلق نہیں۔

(۱) جناب حاجی نور محمد احمد صاحب کلکیری بازار بمبئی (۲) محترمہ صفیہ نور ایڈل کورٹ میرین ڈرائیو (۳) جناب مدن موہن کالیہ (۴) پی سوبھاش آنجہ پرویڈ جنکشن بمبئی ۱۹ (۵) عبدالرزاق قریشی صاحب انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی (۶) سید شہاب الدین دسنوی صاحب صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ پالیٹکنک (۷) ظل عباس عباسی صاحب اجمل پریس، پرنس بلڈنگ جے جے اسپتال۔ (۸) جناب تصدق حسین صاحب انجمن اسلام ہائی اسکول کرلا (۹) جناب انصار علی صاحب احمد سیلر ہائی اسکول (۱۰) شیخ عبدالقادر صاحب ۳۰ نشان پاڑہ روڈ ڈونگری (۱۱) مہتمم دارالمطالعہ انجمن ترقی اردو ناگپاڑہ (۱۲) جناب اے احمد جعفری صاحب (۱۳) جناب عبداللہ پرکار صاحب دینانتھ بلڈنگ چلے پادس (۱۴) جناب لطفی رضوانی صاحب جامع مسجد (۱۵) جناب عبدالحلیم ساحل صاحب (۱۶) فضل اللہ فاروقی صاحب۔

الداعی

(مدن موہن کالیہ جنرل سکریٹری)

جے پور جشن "یوم آزادی" کے سلسلے میں انجمن ترقی اردو شاخ جے پور (راجستھان) کی جانب سے ۱۵ اگست سنہ ۵۹ء کو ۹ بجے شب میں ایک غیر طرحی مشاعرہ نواب ممتاز احمد صاحب کی حویلی میں منعقد ہوا۔

شری جے نرائن ویاس چیف منسٹر راجستھان جن کی صدارت میں مشاعرہ ہوا ٹھیک وقت پر تشریف لائے تو سامعین کے ہجوم کے باعث انہیں راستہ ملنے میں بڑا دقت پیش آئی۔

صرف جلسہ گاہ ہی سامعین سے پٹ نہ تھا بلکہ اس کے برآمدے اور چاندنی میں بھی تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اور دوکانوں کی چھتوں پر بھی ہزارہا شائقین بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی قدر دیر سے تشریف لانے والے معزز مہمانوں کو جب راستہ نہ مل سکا تو انھوں نے اپنی ہی کاروں میں بیٹھے ہوئے سڑک پر سے شعرا کا کلام سنا۔

بہترین لاؤڈ اسپیکر کا اعلیٰ انتظام ہونے کے باعث شہر کے مختلف مقامات پر بھی سامعین کے ہجوم تھے۔ جہاں صاف طور پر آواز پہنچ رہی تھی۔

جناب صدر کے خیر مقدم اور رسمی تحریک صدارت پر منشی جنہ بہاری لال صاحب متنا نائب صدر انجمن مذکور نے مختصر تقریر کی اور خان بہادر الطاف احمد صاحب خیری صدر انجمن ترقی اردو جے پور نے نہایت ہی بلیغ خطبہ استقبالیہ ارشاد فرمایا جس میں موصوف نے شاخ انجمن جے پور کی خدمات زبان و ادب کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ گزشتہ "یوم آزادی" کے موقع پر اسی ہال میں موجودہ صاحب صدر ہی کی صدارت میں جس شان کا مشاعرہ ہو چکا ہے وہ آپ حضرات کے علم میں ہے اور پھر انجمن کے سالانہ اجلاس پر جو مشاعرہ اسی حویلی میں زیر صدارت ناظم الملک مولانا مشوق حسین اطہر منعقد کیا گیا تھا اس کی کیف آفرینی بھی ... ناقابل فراموش ہے۔

اگرچہ یوم آزادی کے گزشتہ مشاعرہ میں طرح کہی تھی اور عنوان نظم بھی۔ مگر امسال ایسا نہ ہو سکا کیونکر چند وجوہ کے باعث اس مشاعرہ کا اہتمام کرنے کے لئے انجمن کو صرف تین دن کا وقت مل سکا۔ تاہم یقین ہے کہ مختلف زمینوں کے جواہر پاروں سے شعرا حضرات اس بزم کو جگمگا دیں گے۔

صاحب صدر نے ایک بصیرت افروز تقریر، نابینوں کی دنیا پر ارشاد فرمائی۔ اور اپنی ایک منجدی نظم کو بھی سنائی۔

آپ نے یہ نظم ایک نابینا دیہاتی میں کو ایک لڑکے سے متاثر ہو کر لکھی ہے جس میں اپنے ادبی ذوق و رجحانات کا بہترین انداز میں اظہار کیا ہے۔

جناب صدر کی یہ نظم حقیقتاً موجودہ دور کے ادبی جمال کے جہاں بلند خوشنما بھی اور خطبہ صدارت کو کچھ ذرا سنتے رہا کہ ایک مختصر خطبہ کیا جاتا تو ہے

تقریر صدارت کے بعد مشاعرے کا آغاز ہوا۔ اور سید آغا حسن آغا کے کلام سے دور شروع ہوا۔ سید آغا حسین یکتا وکیل ہائی کورٹ نے ایسی نظم پڑھی کہ شور تحسین کے باعث مصرعے بھی مشکل سے سمجھ میں آتے تھے۔

نظموں کے بعد غزل کا دور شروع ہوا۔ ادب پور کے علاوہ اجمیرو بیکانیر کے شعرا نے بھی حصہ لیا۔

بنگلور بسلسلہ تشریف آوری جناب قاضی محمد عبد الغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، یکم اگست کو مسلم ہال میں بنگلور کے حامیان اردو کا ایک عام عظیم الشان جلسہ قائد ملت جناب محمود شریف صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا اور حسب ذیل منتقد اصحاب انجمن ترقی اردو بنگلور کے عہدہ دار منتخب ہوئے۔

مربیان (۱) رکن الملک جناب سید عبد الوحید صاحب سبز واری بی۔ اے

(۲) مشیر الملک جناب محمد امام صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل سابق وزیر تعلیم

صدر قائد ملت جناب محمود شریف صاحب بی۔ اے ایل۔ ایل بی سابق وزیر صحت

نائبین صدر (۱) جناب سید عبد الخالق صاحب جنرل سکریٹری سنٹرل مسلم ایسوسی ایشن۔

(۲) جناب محمد عنایت اللہ صاحب مہکری سکریٹری یتیم خانہ اہل اسلام بنگلور

(۳) جناب عطا جانی سید حسین صاحب نائب صدر سنٹرل مسلم ایسوسی ایشن۔

(۴) حکیم الملک جناب سید غوث محی الدین صاحب یم۔ یل۔ سی ایڈیٹر صدائے کلام

جنرل سکریٹری۔ جناب کے محمد حبیب اللہ خاں صاحب بی اے بی یل ایڈوکیٹ

نائبین سکریٹری (۱) جناب عبد الواحد خاں صاحب بی۔ اے بی یل ایڈوکیٹ۔

(۲) جناب سید عبد العظیم صاحب یم یس۔ سی (علیگ)

خازن جناب محمد رحیم صاحب خلیل شیرازی۔

(نامہ نگار)

اُردو کی خبریں

علی گڑھ میں ہر چند کہ شعر و سخن کی وہ محفلیں جو کبھی یونیورسٹی کا حسن سمجھی جاتی تھیں اب گرم نہیں ہوتیں پھر بھی کبھی کبھی آفتاب منزل میں صاحب زادہ شہزاد احمد خاں صاحب کے یہاں اور کبھی کہیں اور کوئی نشست ایسی ضرور ہو جاتی ہے جس سے پچھلی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں چنانچہ ۹ اگست کی شام کو ایک ایسی ہی مخصوص محفل ضیاء احمد صاحب بدایونی ریڈر شعبۂ فارسی کی طرف سے "بیت العجیب" میں منعقد ہوئی شریک ہونے والے سخن فہموں میں قابل ذکر گرلز کالج ٹیوٹر، ڈاکٹر عشرت حسین مولانا نجیب ویدی، نسیم لکھنوی اور نیاز بادی صاحب تھے تو شعرا میں ڈاکٹر مسعود حسن، خلیل الرحمن اعظمی، ظفر احمد صدیقی، احمق پھپھوندوی اور آفتاب احمد صاحب جوہر ڈسٹرکٹ سیشن جج تھے جو گروہ تھے جن کی تشریف آوری کے سلسلے میں یہ بزم سجائی گئی تھی۔

جوہر صاحب کے جو اشعار حافظے نے محفوظ کر لئے تھے اس کے لطف میں ہماری زبان کے ناظرین کو شریک کرتا ہوں۔

ہمدم اسی بہار کے آنے کی دھوم تھی　　اک گوشۂ قفس بھی گلستاں نہ ہو سکا

غنچہ جات سے چھوٹے تو اب بیاتم ہے　　کہ ایک نوع پشیماں شریک ماتم ہے

داماں سبزہ و گل کیوں آنسوؤں سے تر ہے

شاید مآل گل پر شبنم تری نظر ہے

دنیا عمل کی بستی، تو محو خواب مستی

اے رہ نورد ہستی منزل نہیں سفر ہے

نہ دی ہنگامہ ہائے دہر نے فرصت تماشے کی

تری آواز اکثر پردہ ہائے دل سے ٹکرائی

مبارکباد امواج حوادث کو کہ وہ کشتی

جو طوفانوں سے کھیلی تھی وہ اب ساحل سے ٹکرائی

نہ جانے دل کے کس گوشہ میں جا کر سو گئی جوہر

وہ بجلی جو ہمیشہ خرمن باطل سے ٹکرائی

داستاں ان کی جفاؤں کی زباں تک آ گئی

شرم ضبط عشق اب نوبت بیاں تک آ گئی

تم نہ چونکے صحن گلشن میں دھواں اٹھتا رہا

ہم سیفروں آگ شاخ آشیاں تک آ گئی

آہ جوہر نارواداری کے شعلوں کی لپیٹ

قوم و مذہب یک طرف اردو زباں تک آ گئی۔

بھوپال بھوپال ریڈیو ٹاک ۔"اردو زبان ہندوستان کی تمام زبانوں میں ترقی یافتہ زبان ہے۔ بھوپال میں اردو کو ایسی ہی علاقائی حیثیت حاصل ہے۔ جیسی بنگال میں بنگالی، گجرات میں گجراتی، مہاراشٹر میں مرہٹی اور مدراس میں تلگو وغیرہ کو اس لئے میں اردو کو علاقائی زبان دلانے کی تائید کرتا ہوں۔

یہ الفاظ مرکزی آدی باسی پرجا سوشلسٹ لیڈر ڈاکٹر بنرجی نے ایک بیان میں کہے ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ جنگ آزادی میں اردو زبان نے جو پارٹ ادا کیا ہے کسی دوسری زبان کو یہ فخر حاصل نہیں ہوا۔ یہی وہ زبان ہے جس نے ملک کے عوام کو بیدار کیا۔ یہ گنگا اور جمنا کی گود میں پلی بڑھی اور پروان چڑھی۔ جو لوگ اس زبان کی مخالفت کرتے ہیں وہ زبان کے مسئلے کو محدود دائرے میں دیکھتے ہیں جبکہ زبان کا مسئلہ ایک سے زیادہ زبانیں بولنے سمجھنے اور ان میں تربیت پائے لٹریچر کے مطالعے ہی سے فکر انسانی میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اردو زبان ہندوستان کی تمام زبانوں میں ترقی یافتہ ہے یہی وجہ ہے کہ اسے تمام لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس زبان کی نشو و نما اور آبیاری ہندوستان کے تمام مفکرین نے کی۔ جہاں غالب۔ داغ۔ ذوق۔ مومن اور اقبال اس زبان کی آبیاری کرتے ہوئے ملتے ہیں وہیں چکبست۔ پریم چند۔ رتن ناتھ سرشار، کیفی کرشن چندر وغیرہ بھی دکھائی دیتے ہیں اور ان بزرگوں نے جو لٹریچر پیدا کیا ہے وہ

بہترین علمی سرمایہ ہے۔

بھوپال میں اردو زبان کو ایسی ہی علاقائی حیثیت حاصل ہے جیسی بنگال میں بنگالی کو، گجرات میں گجراتی کو، مہاراشٹر میں مراٹھی، مدراس میں تلگو وغیرہ کو اس لئے میں اسے علاقائی حیثیت دلانے کی تائید کرتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ جو لوگ زبان کے مسئلہ پر محدود دائرے میں سوچتے ہیں وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

میری رائے تو یہ ہے کہ زبان کے مبلغین کو وسیع النظر ہونا چاہیے ان کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ اپنی زبان میں شامل کر کے اسے مالا مال بنائیں۔ اس سے زبانوں کے نشو و نما اور ترقی میں جو اس نظریہ سے عمل پیرا ہوں اردو زبان کی یہی خصوصیت ہے۔

بدقسمتی کی بات ہے کہ ہندی کے مبلغ اور پرچارک ہندی کو آسان اور عام فہم بنانے کے بجائے اور سخت بنا رہے ہیں یہی نہیں بلکہ ملک کی دوسری زبانوں کی مخالفت کر کے ہندی کی جڑ پر خود ہی کلہاڑا چلا رہے ہیں

بھوپال بدیانت پرکاش سنگر کے مکان رہائش منزل میں ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء کو حلقۂ دانشوران کا پندرھواں اجلاس زیر صدارت مفتی صدیقی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ کردار منعقد ہوا۔

نذیر رحمانی نے اپنا افسانہ "سفر کشمیر" سنایا۔ شفا گوالیاری نے اپنی نظم "یوم آزادی" پڑھی۔ گوپی کشن ایڈیٹر ساج نے ایک تاثر بعنوان "جوار بھاٹا" سنایا۔ ارشد صدیقی نے اپنی غزل ؎

"سحر کے گیت سناؤ کہ رات کٹ جائے"

سنائی۔ کوثر چاند پوری نے اپنا افسانہ "چار ایکم چار" سنایا۔ ان تمام تخلیقات پر سخت تنقید کی گئی۔

اس کے بعد اسعد بھوپالی۔ محمد علی تاج۔ عشرت عزیز گوالیاری، شوکت پرویز۔ جی ایم نفیس، مولانا منظور، اختر قریشی، دلکش ساگری، شوکت رمزی اور وحید پیا آرزو نے اپنا منظوم کلام سنایا۔

(نامہ نگار)

علی گڑھ ۱۱ اگست ۱۹۵۱ء کو نصیر الدین صاحب آف بمبئی کے مکان پر ایک مشاعرہ زیر صدارت عمران انصاری صاحب منعقد ہوا۔

خلیل الرحمٰن اعظمی، جاوید کمال، حنیف ناشاد اور تشنہ صاحب نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔ آصف شاہمیری نے افتتاح مشاعرہ پر ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"میرا یقین ہے کہ جب تک مشاعرے زندہ ہیں زبان کو کوئی فنا نہیں کر سکتا۔ ادبی ہنگامے قوموں میں نئی قوت و عمل کی روح پھونک دیتے ہیں یاس پسند لوگ کہتے ہیں کہ اردو کے مصنفین کی تصانیف خطرے میں ہے اسے میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ مصنف کا ہر لفظ اپنے اندر طوفان خیز موجوں کی طاقت رکھتا ہے اور شاعر کا ہر شعر ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔"

کانپور ادارہ پاسبان طلبا نے ایک لائبریری کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ تجویز پاس کی کہ محلہ نظر باغ کانپور میں ایک لائبریری کا قیام ہونا چاہئے۔ اس سے پیشتر یہاں پر ایک میونسپل لائبریری تھی جو ختم ہو گئی اور اب قریب میں کوئی لائبریری نہیں ہے جس سے قرب و جوار کے طلبا اور طالبات دور کی لائبریریوں میں جانے سے تساہلی برتتے ہیں اور صرف اسکول کی کتابوں کو اپنی دنیا تصور کرتے ہیں اس طرح سے اپنی زندگی کو بے لطف بنا رکھا ہے ان تمام وجوہ کی بنا پر طلبا اور طالبات کو ہر ممکن سہولت پہنچانے کے لئے ادارہ پاسبان طلبا نے اپنی زیر نگرانی ایک "اردو" لائبریری قائم کرنے کی تجویز پاس کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کوشش ہے کہ تمام مراحل طے کر کے لائبریری کا کام بہت جلد شروع کیا جائے۔ لائبریری میں اردو ادب کی کتابوں کے علاوہ انگلش کی بھی کتابیں ہوں گی۔

ادارہ پاسبان کی طرف سے تمام اخباری اداروں سے درخواست کی ہے کہ لائبریری کو اپنے اخبار کا اجرا کر کے ہر ممکن تعاون فرمائیں۔

مولانا حسرت موہانی کے
پسماندگان کو وظیفہ

حکومت نے مولانا حسرت موہانی مرحوم کی بیوی اور خورد سال بچی کے لئے دو سو روپے ماہانہ کا وظیفہ مقرر کیا ہے۔

مولانا حسرت موہانی اردو کے مسلم الثبوت ادیب ہونے کے علاوہ ہندوستان کے ان چند رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان کی آزادی کا علم بلند کیا۔

معلوم ہوا ہے کہ وظیفہ دینے کی تحریک ہندی کے ایک مشہور مصنف اور کونسل آف اسٹیٹ کے نامزد مسٹر بنارسی داس چترویدی نے کی جو گاندھی جی کے ممتاز معتقدوں میں سے ہیں اور مولانا سے گہرا ربط رکھتے تھے۔

جنرل سکریٹری صاحب
کی واپسی

انجمن کے جنرل سکریٹری قاضی محمد عبد الغفار صاحب حیدر آباد۔ آندھرا اور میسور کے دورے سے بخیر واپس آ گئے ہیں۔ خط و کتابت اب موصوف کے نام سے کی جائے۔

(مددگار جنرل سکریٹری)

تبصرے

رہنمائے تعلیم ملنے کا پتہ:۔ دفتر رہنمائے تعلیم۔ محلہ مفتی والان دریا گنج۔ دہلی نمبر ۸

سالانہ چندہ:۔ پانچ روپے۔ نو آنے

رہنمائے تعلیم مکتوبات کا پرانا رسالہ ہے جو ۱۹۰۳ء میں لاہور سے جاری ہوا تھا اور اس وقت سے آج تک برابر اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اس کے ایڈیٹر سردار ماسٹر جگت سنگھ صاحب ہیں۔ جنھوں نے اپنی ساری عمر اردو کی خدمت اور رسالے کی ترتیب و تہذیب میں گزاری ہے اور نامساعد سے نامساعد حالات میں بھی ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی کہ وہ اردو کی خدمت کو ملک اور قوم کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

اس رسالے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے صفحات پر کبھی گندے اشتہارات شائع نہیں ہوئے نہ اس کا ایڈیٹر معمّوں کی لعنت میں گرفتار رہا جبکہ بڑے بڑے مذہبی رسالوں اور اخباروں کے دامن بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے۔

فلمی تصویریں اور گندے اشتہارات آج کل رسالوں اور اخباروں کی زندگی کے ضامن سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ماسٹر صاحب کو رسالے کی بقا کے سلسلے میں سخت سے سخت حادثوں کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے اس کی طرف رخ نہیں کرتے اور یہ ان کی ایسی شرافت ہے جس پر تاریخ صحافت فخر کرے گی۔

ایسے رسالوں کی امداد اور توسیع اشاعت کے لئے کوشش کرنا ہر حامی اردو کا فرض ہے۔ اس لئے میں ہماری زبان کے ناظرین سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ماسٹر صاحب کی مدد کریں اور انھیں اردو کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع دیں۔

نوائے وقت ملنے کا پتہ:۔ رانڈرس امپوریم لمیٹڈ پبلی بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتا روڈ۔ بمبئی ۱

قیمت:۔ دو روپے

"نوائے وقت" نظام الدین۔ ایس گوریکر ایم۔ اے کی ان ادبی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو انھوں نے اپنے کالج کے جلسوں میں وقتاً فوقتاً کی ہیں۔ گوریکر صاحب سینٹ زیویرس کالج بمبئی میں شعبۂ اردو، فارسی کے انچارج ہیں اور بہت ہی اچھا ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ گہرا ہے اور ان کی نظر میں بڑی وسعت ہے۔

ان کی یہ تقریریں کالج کے اس ادبی ماحول کی ترجمانی کرتی ہیں جو انھوں نے پیدا کیا ہے۔

نوبہار ملنے کا پتہ:۔ ۱۰ سرپنٹائن روڈ پٹنہ۔

سالانہ چندہ:۔ تین روپے

نوبہار، صوبہ بہار کا ایک ادبی ماہانہ رسالہ ہے۔ جس کے ایڈیٹر وہ جواں سال ادیب خالد رشید صبا اور مسعود عالم ہیں۔ یہ رسالہ بعض نامساعد حالات کی وجہ سے کچھ دنوں نکل کر بند ہو گیا تھا۔ جون ۱۹۵۱ء سے دوبارہ جاری ہوا ہے اور اس عزم کے ساتھ کہ اب مستقل طور پر جاری رہے گا۔ زیر نظر شمارے میں ڈاکٹر امرناتھ جھا کا ایک مضمون "اکبر الہ آبادی" جو بڑی دلچسپ مطالعہ ہے۔ لکھنے والوں میں اپیندر ناتھ اشک۔ غلام عباس احمد ندیم قاسمی اور جاوید کمال وغیرہ شامل ہیں۔ امید ہے کہ نوبہار سرزمین بہار کو اردو زبان و ادب کی خدمت کا احساس دلاتا رہے گا اور وہاں کے نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرے گا جس کی بڑی ضرورت ہے۔

بچکانہ قاعدہ ملنے کا پتہ:۔ مقصود حسن صاحب حنیف مکان نمبر ۱۷۴ محلہ جوہری۔ چوک لکھنؤ

قیمت ہر حصہ دو آنے

"بنیادی قاعدے" کی روشنی میں بچوں کی ابتدائی تعلیم کے لئے سیکڑوں قاعدے لکھے گئے ہیں اور بازار میں موجود ہیں مگر حنیف صاحب کا مرتب کردہ "بچکانہ قاعدہ" ان تمام قاعدوں سے زیادہ آسان اور سادہ ہے اور اس کے ذریعے کم سے کم وقت میں بچے لفظوں سے واقف ہو جائیں گے۔

اس قاعدے کے تین حصے ہیں اور ہر حصے میں بچوں کی ذہنی نفسیات کو سامنے رکھ کر مفرد، دو حرفی اور سہ حرفی الفاظ اور چھوٹے چھوٹے جملے لکھے گئے ہیں۔

پروپیگنڈے میں بڑی طاقت ہوتی ہے جس سے پرسا کو ابھارا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بچکانہ قاعدے کے مرتب حنیف صاحب یہ فن نہیں جانتے اور نہ ان کے پاس اس کا کوئی ذریعہ ہی ہے۔ ورنہ ان کے مرتب کردہ قاعدے کے ہوتے ہوئے کسی اور قاعدے کی ضرورت نہ ہوتی۔ حنیف صاحب کو چاہیئے کہ اس قاعدے کو بازار میں لے آئیں اور اس کی اشاعت کا حق کسی مبیع کو دے دیں تاکہ ان کا قاعدہ اردو کے حامیوں کے گھر میں پہنچ جائے۔

اشرف الکلام سید شاہ محمد ذکی صاحب اشرف کچھوچھوی کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے۔ جسے حیدرآباد کے مطبع ابراہیمیہ نے شائع کیا ہے۔ ذکی صاحب حضرت مخدوم کچھوچھوی کی اولاد سے ہیں اور چونکہ اس خاندان میں علم و فضل کے ساتھ شعر و سخن کا بھی سلسلہ رہا ہے اس لئے ذکی صاحب کو شاعری ترکے میں ملی ہے اور ان کا رنگ [illegible] ہے جو اس سلسلے کے بزرگوں کا مخصوص حصہ ہے۔ مجموعے میں زیادہ تر نظمیں ہیں جو کسی نہ کسی مشاعرے میں پڑھی گئی ہیں۔

یہ کتاب دو روپے میں سید شاہ محمد ذکی اشرف صاحب درگاہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد سے مل سکتی ہے

چند غزلیں لکھنؤ ڈسٹرکٹ جیل کی بھی ہیں جب ذکی صاحب ۱۹۳۲ء کے سیاسی قیدیوں میں شامل تھے اور مولانا عارف ہسوی کی وجہ سے جیل میں اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔

پرنٹر و پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پریس کمپنی میں چھپوا کر انجمن سے شائع کیا۔